تک پوجا جاتا ہے اور اس کی علم دوستی فراخ دلی اور روشن دماغی کا چہار سو شہرہ ہے لیکن اس کی مشہور نظم Divine Comedy کے بعض حصے ناقابل بیان حد تک شرمناک اور جہالت و تعصب کی بدترین مثال ہیں۔

قرونِ وسطیٰ کی ان تصانیف کے اس سرسری جائزہ سے یہی پتہ چلتا ہے کہ ان مصنفین کے پیش نظر بس یہی ایک مقصد تھا کہ کس طرح اس عظیم ہستی اور اس کے مقدس مشن کو داغدار کیا جائے تاکہ لوگوں کے دلوں میں اسلام کے لئے کوئی کشش باقی نہ رہے درحقیقت کلیسا کے لئے یہی ایک راہ باقی تھی کیونکہ دلائل سے اسلام کے پیغام کو غلط ثابت کرنے کی تو اس میں سکت ہی نہیں تھی۔

جہاں تک ان مصنفین کے اعتراضات کا تعلق ہے ان میں سے ایک بھی وقیع علمی یا سنجیدہ انداز کا نہیں۔ کسی مصنف کو وحی اور نبوت ہی سرے سے غیر حقیقی محسوس ہوئی تو کسی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکی اور مدنی ادوار کی زندگی میں تناقض نظر آیا۔ کسی نے آنحضرتؐ کے اخلاقی پہلو پر اعتراضات کئے تو کسی کو آنحضرتؐ کی کامیابی میں جادو کا ہاتھ کارفرما نظر آیا۔ ان مصنفین کو اسلام میں اول تو کوئی خوبی ہی نظر نہیں آئی اور اگر کسی بات کی تعریف بھی کی تو اس کے بارے میں یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ یہ بحیرہ راہب کی تعلیمات کی وجہ سے ہے۔ قرون وسطیٰ کی ان تصانیف کو بجا طور پر مجموعۂ خرافات کا نام دیا جا سکتا ہے۔

قرون وسطیٰ تو خیر بقول اہل مغرب کے ان کی تاریخ وتمدن کا ایک تاریک دور (Dark Ages) ہے لیکن سیرت طیبہ سے متعلق ذہنوں پر چھائی ہوئی تاریکی کو نہ نشاۃ ثانیہ (Renaissance) کی علمیت دور کر سکی نہ دورِ عقلیت (Age of Reason) کی عقلیت۔ دوسرے علوم و فنون میں یورپ نے واقعتاً عقل کی رہنمائی میں نئے نئے تجربات کئے

اشیا ر کو جانچا پرکھا، سائنسی مزاج اپنایا اور تہذیب و تمدن کے سرمائے میں بہت کچھ اضافہ کیا لیکن تاریخِ اسلام اور آنحضرتؐ سے متعلق رویہ بدستور تنفر، تنگ نظری اور جہالت ہی کا رہا۔

سیرت کے ضمن میں ذکر دانتے کی نام نہاد علم دوستی اور روشن خیالی کا ہو چکا۔ اس سے بھی کہیں بڑھ کر جہالت کی کھلی ہوئی مثال شیکسپیر (۱۵۶۴ء۔ ۱۶۱۶ء) کے ہاں نظر آتی ہے۔ وہی شیکسپیر جس کا نام آتے ہی اہل علم و فن گویا سر بسجود ہو جاتے ہیں۔ شیکسپیر بلاشبہ عظیم فنکار ہوا ہے اور یہ بھی امر واقعہ ہے کہ فطرت انسانی کی نباضی اور ادراک اس سے بڑھ کر کسی اور فن کار کے ہاں نہیں ملتا مگر دوسری طرف مذہب کے بارے میں شیکسپیر کی کم علمی کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ وہ اپنے ایک تاریخی ڈرامے ہنری ششم (Henry VI) (ایکٹ اول منظر دوم لائن نمبر ۱۴۰) میں وحی کے بارے میں لکھتا ہے کہ ایک فاختہ نزولِ وحی کا فریضہ انجام دیتی تھی۔

مشہور انگریزی انشا پرداز لارڈ بیکن (Bacon) (۱۵۶۱ء۔ ۱۶۲۶ء) نے اس سے بھی کہیں بڑھ کر افسانہ طرازی کی ہے۔ پوری سنجیدگی کے ساتھ اور تاریخی واقعے کے طور پر اپنے ایک انشائیے "Of Boldness" میں طنزیہ اور استہزائیہ پیرایہ میں یہ روایت بیان کی ہے کہ آنحضرتؐ کو اس بات کا دعویٰ تھا کہ پہاڑ بھی ان کے مطیع ہیں اور ایک مجمع کی موجودگی میں اپنے دعوی کو ثابت کرنے کے لئے انہوں نے ایک پہاڑی کو حرکت کرنے کا حکم دیا لیکن جب پہاڑی میں جنبش پیدا نہ ہوئی تو یہ جملہ کہا:

"If the hill will not come to Mahomet, Mahomet will go to the hill."

"اگر پہاڑ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس نہیں آئے گا تو محمدؐ خود اس کے پاس جائیں گے"۔ اور یہ فقرہ آج تک انگریزی زبان میں بطور ضرب المثل رائج ہے۔

بیکن اور شکسپیر کے مندرجہ بالا اقتباسات سے مقصود محض ان کی جہالت کو آشکارا کرنا نہیں بلکہ اس امر کی نشاندہی کرنا ہے کہ تعصبات جب ذہنوں میں راسخ ہوجاتے ہیں تو ان سے سماج کا کوئی طبقہ محفوظ نہیں رہتا اور یہی تعصبات رفتہ رفتہ عقائد کی شکل اختیار کر جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اس دور کی ساری تصانیف میں اسلام دشمنی اور واقعات سیرت کو عمداً مسخ کرکے پیش کرنے کی خصوصیات مشترک ہیں۔

اہل مغرب کی اسلام دشمنی کا اندازہ اس امر سے بھی ہوتا ہے کہ اوائل سترھویں صدی میں اصلاح (Reformation) تحریک کے زیر اثر کیتھولک اور پروٹسٹنٹ فرقوں کی باہمی مناظرہ بازی میں ایک فریق دوسرے کو مطعون کرنے اور مردود ٹھہرانے کے لئے جو انتہائی سخت الزام لگاتا تھا وہ یہ ہوتا تھا کہ فریق مخالف اسلام سے متاثر ہے۔ گویا اسلام سے کسی طرح واقفیت یا تعلق عوام کے دلوں میں کراہیت اور تنفر پیدا کرنے کا موثر ترین حربہ تھا۔

سیرت طیبہ سے متعلق قرون وسطٰی کے اہل قلم کی پھیلائی ہوئی جہالت کی ایک تاویل یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ ان مصنفین کو اسلام سے براہ راست واقفیت نہ تھی لیکن اٹھارویں صدی کے ان مصنفین کے لئے تو اسلام اور سیرت سے متعلق براہ راست مواد حاصل کرنے کے کہیں بہتر وسائل موجود تھے کیونکہ تقریباً تمام مغربی ممالک مثلاً ہالینڈ، انگلستان اور فرانس سے مسلم ممالک کے تجارتی تعلقات تھے اور خود مغربی اہل قلم میں عربی سے واقفیت اس حد تک پیدا ہوچلی تھی کہ ۱۶۴۹ء میں قرآن پاک کے انگریزی اور فرانسیسی زبانوں میں تراجم شائع ہوئے۔ لیکن جب شر انگیزی ہی مقصود ہو تو آنکھوں پر پردے پڑ جاتے ہیں، کان

بھرے ہو جاتے ہیں اور دماغ کھلی ہوئی حقیقتوں کو بھی ناقابل التفات ٹھہرانے لگتا ہے۔

سیرت طیبہ پر سترھویں صدی کی ایک اہم تصنیف ہمفری پریڈکس (Humphery Prideaux) کی The True Nature of Imposture Fully Displayed in the Life of Mahomet ہے۔ مندرجات کا اندازہ عنوان ہی سے کیا جا سکتا ہے۔ ۱۶۹۸ء تک اس کے تین ایڈیشن شائع ہوئے اور مقبول عام بنے۔ اس تصنیف کو مدتوں تک اہل مغرب کے لئے سیرت پر سند کا درجہ حاصل رہا جارج سیل (SALE) کی عربی دانی بے شک اپنی جگہ مسلم ہے لیکن ان کے ترجمہ قرآن (۱۷۳۴ء) کے حواشی بھی اپنے دور کے تعصبات ہی کے آئینہ دار ہیں ایسے ہی تعصبات کا بڑا نمایاں عکس اس دور کے دوسرے اہم فرانسیسی مترجم قرآن (SAVARY) کے ترجمۂ قرآن (۱۷۵۲ء) کے ان حصوں میں بھی پایا جاتا ہے جن میں آنحضرتؐ کا ذکر مبارک آیا ہے۔ نامور مورخ ایڈورڈ گبن (Gibbon) بھی ان تعصبات سے محفوظ نہیں رہا ہے۔ اس کی شہرۂ آفاق تصنیف The Decline and the Fall of the Roman Empire مغربی معیاراتِ تاریخ نویسی کے اعتبار سے یقیناً بلند پایہ ہے لیکن آنحضرتؐ سے متعلق اس کے نتائج اپنے دور کے تعصبات کی پیداوار ہیں۔

اسلام دشمنی اور واقعات کو مسخ کرنے کی بدترین اور گھناؤنی مثال فرانسیسی اہل قلم والٹائر VOLTAIRE کے ہاں ملتی ہے۔ سیرت پر اس کا ڈرامہ Le Fanatisme Or Mahomet le Prophete (۱۷۴۲ء) اس دور کے تعصبات اور خرافات کا نقطۂ عروج ہے۔ اس کے مندرجات ایسے پست سطحی اور رکیک ہیں کہ ان کا ذکر تک کرنا مشکل ہے۔ صدیوں پر محیط اس پورے دور میں ایک حد

تک سلجھے ہوئے انداز کی مثال صرف جرمن شاعر گوئٹے (Goethe) کی نظم "Mahomets Gesang" (۱۷۷۲ء) میں پائی جاتی ہے لیکن تعصبات سے بالکل بری یہ نظم بھی نہیں ۔

قصہ مختصر اٹھارویں صدی کے آخر تک ایک پورا دفتر کا دفتر اس مضمون کا تیار ہو گیا کہ (معاذاللہ) اسلام لغویات سے پُر اور خوبیوں سے قطعاً عاری ایک مذہب کا نام ہے اور سیرت طیبہ سے متعلق بھی یہ تصورات اہل مغرب کے ذہنوں میں خوب رچ بس گئے کہ نبوت کا دعویٰ باطل تھا اور وحی کی نہ کوئی اصلیت ہے نہ جواز اور یہ ذات گرامیؐ کسی اعتبار سے بھی قابل ذکر یا قابل تقلید نہیں ۔ اسی طرح یہ عقیدہ بھی اہل مغرب کے شعور میں خوب راسخ ہو گیا کہ اسلام کو جو کچھ بھی کامیابیاں نصیب ہوئی ہیں وہ محض بزور شمشیر ورنہ کیا اخلاقی کیا روحانی ہر اعتبار سے یہ مذہب قابل نفرت ہے ۔ غرضیکہ ظہور اسلام کے گیارہ سو سال بعد بھی رویّہ بدستور معاندانہ رہا اور یہی وجہ ہے کہ اس دور کی تصانیف قرون وسطی کے تعصبات کے رنگ میں رنگی ہوئی نظر آتی ہیں ۔

## وکٹورین اور جدید دور کی تصانیف

انیسویں صدی کے مغرب کی زندگی میں صنعتی انقلاب اور جمہوریت وغیرہ کی تحریکوں کے زیر اثر ہر ہر میدان میں انقلاب آئے لیکن اسلام اور سیرت طیبہ سے متعلق طرز فکر بنیادی طور پر وہی رہا جو قرون وسطی میں تھا ۔ اتنا فرق ضرور ہوا کہ واقعات کو مسخ کرنے کے انداز میں ایک نوع کا سلیقہ آگیا ۔ جو بات پہلے براہ راست اور دو ٹوک الفاظ میں کہی جاتی تھی وہ اب مبہم انداز میں کہی جانے لگی ۔ لیکن رویہ رہا بدستور تعصبات اور

بغض و عناد ہی کا۔

اس دور کی تصانیف کا نکتہ آغاز مشہور مغربی اہل قلم ٹامس کارلائل (Thomas Carlyle) (۱۷۹۵ء - ۱۸۸۱ء) کے لکچرز کو سمجھ لیجئے تاریخ کے تقاضوں سے مجبور ہوکر کارلائل نے آنحضرت کا شمار تو یقیناً تاریخ کے اہم ترین افراد میں کیا لیکن اس عظمت کو تسلیم کرنے میں بڑے قیل وقال سے کام لیا۔ اس کے لکچرز میں جابجا ایسی باتیں ملتی ہیں جو قرونِ وسطی کے تعصبات پر مبنی ہیں۔

سیرت طیبہ سے متعلق ایک قابل ذکر کام اس دور میں یہ ہوا کہ ابتدائی سیرت نگاروں مثلاً ابن ہشام واقدی اور ابن سعد کے تراجم مغرب میں شائع ہوئے۔ مترجمین میں نمایاں شخصیتیں جرمن مستشرقین فان کریمر (Van Kremer) اور اسپرنگر (Sprenger) کی ہیں۔ سیرت پر اس دور کی اہم تصانیف ویل (Weil) کی Mohammed der Prophet, Sein Leben und Sein Lehre (۱۸۴۳ء) اور پرسیوال کی Essai su'l histoire der Arabes (۱۸۴۷ء) ہیں۔ میور (Muir) اور دوسرے متعدد مستشرقین کے لئے یہ دونوں تصانیف مدتوں تک سرچشمۂ ہدایت بنی رہیں جبکہ ان مصنفین کی علمیت کا عالم یہ ہے کہ ان کو اسلام بطور ایک مذہب اور تاریخی حقیقت کے سرے سے تسلیم ہی نہیں۔ دراصل دونوں نے اسلام کو عیسائیت اور یہودیت کی ایک مسخ شدہ شکل قرار دیا ہے۔

انیسویں صدی کے وسط میں اسپرنگر نے سیرت طیبہ سے متعلق ایک نئے طرز فکر کی طرح ڈالی۔ چونکہ موصوف علم طب میں سند یافتہ تھے لہذا انہوں نے نزول وحی کی کیفیت کو صرع یعنی مرگی کے مرض سے تعبیر کیا

اس موضوع پر ان کی تصنیف Das Leben und die Lehredes Mohammed (۱۸۶۱ء - ۱۸۶۵)
ایک عرصے تک مرجع عوام و خواص رہی۔ ایک نہیں متعدد اہل قلم نے اسپرنگر کے اس مفروضے کو عین حقیقت تسلیم کر کے نبوت اور سیرت پر خوب حاشیہ آرائی کی۔ اس طرز فکر کی نمائندہ کتابوں میں ڈاکٹر فرانز بہل (Dr. Foranz Buhl) کی Muhammad's Liv (۱۹۰۳ء) آئرلینڈ کی OntheHallucination of Mohammed (۱۸۸۶ء) اور ڈاکٹر میکڈانلڈ (Dr Macdonald) کی Aspects of Islam (۱۹۱۱ء) شامل ہیں۔

سر ولیم میور (Sir William Muir) نے ایک دوسرا ہی فتنہ کھڑا کیا۔ ان کی تصنیف A Life of Mahomet (۱۸۶۱ء) کا مرکزی خیال یہ ہے کہ نعوذ باللہ اسلام اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے زیادہ تہذیب و تمدن اور آزادی کا مخالف اور کوئی نہیں۔ قرونِ وسطی کے تعصبات سے پُر اس تصنیف کو اہل مغرب نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ خود موصوف کی زندگی ہی میں اس کے تین ایڈیشن شائع ہوئے۔ اپنے مندرجات سے کہیں بڑھ کر یہ تصنیف اس اعتبار سے فتنہ سامانی کا باعث بنی کہ میور کی اس تصنیف سے متاثر ہو کر مغرب میں درجنوں کتابیں شائع ہوئیں اور آج تک ہو رہی ہیں۔

چونکہ سیرت طیبہ کے بنیادی ماخذ قرآن پاک اور احادیث ہیں لہذا مستشرقین کے ایک جتھے نے ان بنیادی ماخذوں کو ہی مشکوک ٹھہرا دیا تاکہ سیرت کی تاریخیت اور اس کا پیغام دونوں ہی بے معنی ہو کر رہ جائیں اپنے اس مشن کی تکمیل کے لئے انہوں نے زیادہ تر محققین کا اوڑھا

لیکن شعوری اور لاشعوری طور پر ان کی فکر بھی قرونِ وسطیٰ کے اولین اہل قلم سے مختلف نہیں افسانوں کو تاریخی رنگ میں پیش کرنا دونوں کی مشترک خصوصیت ہے۔ مستشرقین کی اس صف میں گولڈ زیہر (Goldziher) اور ہنری لیمنس (Henry Lammens) نمایاں نظر آتے ہیں۔ اگر گولڈ زیہر کے نزدیک بیشتر احادیث ضعیف اور تاریخی اعتبار سے ناقابل اعتبار ہیں تو لیمنس کے نزدیک آنحضرتؐ کی شخصیت اور واقعات کی کوئی تاریخی حیثیت نہیں ہے۔

بیسویں صدی کے شروع میں مغرب میں سیرت سے متعلق ایک اور خیال خوب مقبول ہوا۔ اس طبقہ خیال کے مصنفین کو تاریخی اعتبار سے اسلام اور آنحضرتؐ کی کامیابی تسلیم ہے لیکن کامیابی انہیں اسلام کے ہمہ گیر انقلابی پیغام اور آنحضرتؐ کی مثالی ذات کی وجہ سے نہیں بلکہ ظہورِ اسلام کے زمانے کے مخصوص سماجی اور معاشی عوامل کے سبب نظر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان مصنفین کی نگاہ میں آنحضرتؐ کا مقام بس ایک ایسے ذہین سیاسی رہنما کا ہے جس نے اپنی سیاسی بصیرت سے اپنے سماج کے کمزور اور غریب طبقوں کی آرزوں اور مفادات کو مدنظر رکھ کر ایک نیا پیغام پیش کیا جس نے مروجہ سیاسی اور معاشی نظام کو تہہ و بالا کر ڈالا اور اس طرح آنحضرتؐ نے خود اقتدار کامل بھی حاصل کر لیا۔ گویا اسلام محض معاشی بنیادوں پر قائم کیا ہوا ایک نظام ہے اور آنحضرتؐ اس کے پرجوش اور کامیاب بانی۔ اس طرز فکر کی ابتدا جرمن مستشرق ہیوبرٹ گرم (Hubert Grimm) کی تصنیف Mohammed (۱۸۹۲ء) سے ہوئی اور اسی انداز فکر کا نقطہ عروج ڈیوڈ مارگولیتھ (David Margobuith) کی متعدد تصانیف ہیں مثلاً موصوف کی Mohammed and the Rise of Islam (۱۹۰۵ء) نیز

Encyclopedia of Religion and Ethics (ایڈنبرا ۱۹۵۲ء) اور
Encyclopedia Britannica (کیمبرج، ۱۹۱۰ء) میں شائع شدہ
ان کے مضامین جو آج تک اہل مغرب کے ذہنوں پر اپنے مسموم اثرات مرتب کر رہے ہیں۔ کم و بیش
یہی نقطۂ نظر اطالوی مستشرق لیون کیتانی (LEON CAETANI) کی تصنیف
Annali dell' Islam (۱۹۰۷ء) میں بھی نظر آتا ہے۔

بیسویں صدی کے مشہور مورخ ٹوئن بی Arnold Toyonbee کی گو سیرت
طیبہ پر کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے لیکن ان کی A Study of History
(۱۹۶۱ء) میں جہاں کہیں بھی آنحضرتؐ کا ذکر آیا ہے وہاں تعصب پوری طرح نمایاں
ہے۔ ٹوئن بی کو تضاد اور تناقض آنحضرتؐ کی مکی اور مدنی زندگی کے ادوار میں نظر آیا
ہے۔ اور یہ نکتۂ اعتراض ایک ٹوئن بی ہی پر کیا موقوف کم و بیش ہر مستشرق کی تصنیف
میں موجود ہے۔ دین اور دنیا کو الگ الگ خانوں میں بانٹنے اور یہ عقیدہ رکھنے والی
قوم پر کہ: "جو کچھ قیصر کا ہو وہ اسے دے دو اور جو کچھ خدا کا ہے خدا کے حوالے کردو"۔
یہ حقیقت کسی طرح واضح نہیں ہوتی کہ کسی مذہبی نظام میں دین و دنیا کی وحدت بھی
ممکن بلکہ ضروری ہے۔

سیرت طیبہ پر مخصوص رجحانات کی آئینہ دار بیسویں صدی کی تصانیف کا ذکر ہو چکا۔ دیگر
متفرق تصانیف تو ان میں بھی تعصبات کا رنگ بہت نمایاں ہے۔ ان تصانیف کا صرف
مرکزی نکتۂ خیال پیش ہے۔

غرضیکہ تصانیف خواہ قرونِ وسطیٰ کی ہوں یا جدید ہوں سیرت طیبہ کے واقعات
کو غلط انداز میں پیش کرتی ہیں۔ مستشرقین کی تصنیفات سے مسلم محققین کی واقفیت

بہت ضروری ہے تاکہ وہ ان کا رد کرکے اور اسلامی تعلیمات کو صحیح انداز میں پیش کرکے لوگوں کو مستشرقین کے شر انگیز اثرات سے محفوظ رکھ سکیں۔ چونکہ خود مسلمانوں کے ایک اچھے خاصے طبقے کا اسلام سے واقفیت کا دارومدار ان ہی تصانیف پر ہے اس لئے یہ اقدام کرنا اور بھی زیادہ ضروری ہے۔

## حوالہ

G.W. Broomfield, "The Psychology of Mohammed" The Muslim World, XVI, (1926), p. 37

★★★